1416

انتخاب کلام سکندر علی "وجد"

انجمن ترقی اردو (ہند)
علی گڑھ

Sikander Ali Vajd
Addl. Sessions Judge
NANDED
(Hyderabad State)

وجد

انتخاب کلام سکندر علی وجد

انجمن ترقی اردو (ہند)
علی گڑھ

پہلا اڈیشن   دسمبر سنہ ۱۹۵۲ع

قیمت   (۲) رُپئے
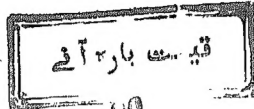
ناشر

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڈھ

مطبوعۂ

ہاشم پرنٹنگ پریس چھتہ بازار
حیدرآباد دکن

سکندر علی وجد سنہ ۱۹۱۴ ع
میں پیدا ہوئے ، ویجاپور ضلع
اورنگ آباد کے باشندے ہیں۔
عثمانیہ یونیورسٹی سے ڈگری لے کر
سرکاری ملازمت میں شریک ہوے۔
آجکل حیدر آباد کے ضلع سنگاریڈی
میں ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ ہیں۔
سنہ ۱۹۳۰ ع میں شاعری کا ذوق
شروع ہوا۔ ابتدای کلام کا مجموعہ
"لہو ترنگ" سنہ ۱۹۴۴ ع میں شائع
ہوا تھا۔ دوسرا مجموعہ "آفتاب تازہ"
اسی سال شائع ہوا ہے۔

اردو کے نوجوان شعرا میں
وجد کا ایک خاص مقام ہے۔ اِن کے
کلام کی روح اِن کی فطرت کا
سوز و گداز ہے۔

فہرست

جگنو

برسات کی رات تھی اندھیری
کچھ نیند اُچٹ گئی تھی میری

پانی جو برس کے کھل گیا تھا
دُنیا کا غُبار دُھل گیا تھا

تاریک تھی شب مگر سُہانی
جیسے بھٹکی ہوی جوانی

بیدار تھی صحن میں اکیلی
پھولوں سے لدی ہوی چنبیلی

نکہت برباد ہو رہی تھی
مخلوق تمام سو رہی تھی

اتنے میں جو رَو چلی ہوا کی
قسمت ہی چمک گئی فضا کی

ہونے لگی جگنوؤں کی بارش
فطرت کے جمال کی تراوش

آتش افروز بام و در تھے
لیکن یہ شرار بے ضرر تھے

اک عالمِ نور جلوہ گر تھا
گھر کیا تھا مطلعِ سحر تھا

آنگن میں تپاں تھے برق پارے
رقصاں تھے زمین پر ستارے

لہروں پہ ہوا کے بہہ رہے تھے
بکھری ہوئی کہکشاں کے ٹکڑے

جگنو اِس طرح اُڑ رہے تھے
ہیروں میں پر لگے ہوئے تھے

پارے کی پھُہار پڑ رہی تھی
آکاش سے دھوپ جھڑ رہی تھی

ظلمت موتی لٹا رہی تھی
پریوں کی برات جا رہی تھی

افشاں کا غبار تھا چمن پر
پھولوں کے چمک رہے تھے جھومر

پیپل تو چنار بن رہا تھا
ہر شاخ سے نور چھن رہا تھا

میں اس منظر میں کھو گیا تھا
ہر رونگٹا آنکھ ہو گیا تھا

روشن تھی کائنات ہر سو
دل میں بھی چمک رہے تھے جگنو

(۱۹۴۷)

اجنتا

جہاں خونِ جگر پیتے رہے اہلِ ہنر برسوں
جہاں گُھلتا رہا رنگوں میں آہوں کا اثر برسوں
جہاں کھنچتا رہا پتھر پہ عکسِ خیروشر برسوں
جہاں قائم رہے گی جنتِ قلب و نظر برسوں
جہاں نغمے جنم لیتے ہیں رنگینی برستی ہے
دکن کی گود میں آباد وہ خوابوں کی بستی ہے

شرابِ کہنہ کی تاثیر ہے ٹھنڈی ہواؤں میں
بہارِ زندگی غلطاں ہے سبزے کی اداؤں میں
نوائے سرمدی آتی ہے جھرنوں کی صداؤں میں
بیاں ممکن نہیں وہ لطف آتا ہے دعاؤں میں
یہاں صدیوں سے رائج پُرسکوں شیریں مقالی ہے
یہاں کا ذرہ ذرہ مظہرِ شانِ جمالی ہے

تجلّی زارِ عرفاں، شاھکارِ اِبنِ آدم ھے
سرِ فطرت عمل کی بارگاہِ حسن میں خم ھے
تمدّن منعکس ھو جس میں ایسا ساغرِ جم ھے
جمالِ زندگی رھنِ جلالِ عزمِ گوتم ھے
امیدِ جانِ تازہ پھردلِ بسمل میں آئی تھی
تلاشِ امن میں تہذیب اِس منزل میں آئی تھی

حریمِ کعبۂ فن، معبدِ نازک خیالاں ھے
جہانِ نور ونکہت مسکنِ آشفتہ حالاں ھے
جُنوں افشاں فضا میں مستیِ چشمِ غزالاں ھے
لبِ جوئے کُہستاں جلوہ گاہِ خوش جمالاں ھے
مِلا ھے زندگی کو بانکپن اِن کج کلاھوں سے
نظر والوں پہ شمشیریں برستی ھیں نگاھوں سے

بہانہ مل گیا اہلِ جنوں کو حسن کاری کا
اثاثہ لوٹ ڈالا شوق میں فصلِ بہاری کا
چٹانوں پر بنایا نقش دل کی بیقراری کا
سِکھایا گُر اُسے جذبات کی آئینہ داری کا
دلِ کُہسار میں محفوظ اپنی داستاں رکھ دی
جگر داروں نے بُنیادِ جہانِ جاوداں رکھ دی

ھُنرمندوں نے تصویروں میں گویا جان بھر دی ھے
قرار و دل میں ھوجاتی ھے وہ کافر نظر دی ھے
اداوں سے عیاں ھے لذتِ دردِ جگر دی ھے
نہ کھلیں گے راز اِس ڈر سے دھن پر مُہر کر دی ھے
یہ تصویریں بظاھر ساکت و خاموش رھتی ھیں
مگر اھلِ نظر پوچھیں تو دل کی بات کہتی ھیں

کہیں پیدا ہے ساری کیفیت صحنِ گُلستاں کی
کہیں رونق نظر آتی ہے بازار وشبستاں کی
کہیں حیرت زبانِ حال ہے حالِ پریشاں کی
لکیریں ہیں کہ شِریانیں دلِ انسان وحیواں کی
کہیں ظلمت کے پیچھے روشنی محسوس ہوتی ہے
کہیں تو موت میں بھی زندگی محسوس ہوتی ہے

جگر کے خون سے کھینچے گئے ہیں نقش لاثانی
تصدق جن کے ہر خط پر تحیّر خانۂ مانی
مُشکّل ہے شباب و حسن میں تخیلِ انسانی
تقدس کے سہارے جی رہا ہے ذوقِ عُریانی
گُلستانِ اجنتا پر جنُوں کا راج ہے گویا
یہاں جذبات کے اظہار کی معراج ہے گویا

کرشمہ ہے یہ اربابِ ہِمم کی سعیِ پیہم کا
جنھیں احساس تک باقی نہ تھا کچھ شادی و غم کا
دلوں پر عکس کھِنچ آیا تھا جن کے حسنِ عالم کا
قلم کو نقش از بر ہو گیا تھا اسمِ اعظم کا
چٹانوں پر شباب و حسن کی موجیں رواں کردیں
فسوں کاروں نے رنگوں میں مقیّد بجلیاں کردیں

جہاں چھوڑا خوشی سے جاوداں پیغام کی خاطر
خوشا مداہلِ دولت کی نہیں کی نام کی خاطر
نہ چھانی خاک در در کی کسی انعام کی خاطر
جیے بھی کام کی خاطر مرے بھی کام کی خاطر
زمانے کی جبیں پر عکس چھوڑے ہیں نگاہوں کے
رہیں گے نقش اِن کے نام مٹ جائیں گے شاہوں کے
(۱۹۳۸)

تاج محل

اے بارگاہِ حسن ترا فیض عام ہے
دریائے مہر و لُطف رواں صبح و شام ہے
تو کشتۂ وفا کا سُہانا پیام ہے
فانی زمیں پہ نقش بقائے دوام ہے
جادُو نگاہِ عشق کا پتھر پہ چل گیا
اُلفت کا خواب قالبِ مرمر میں ڈھل گیا

گُلریز رنگِ خُونِ دلِ حُسن کار ہے
اِس باغِ بے خزاں میں ہمیشہ بہار ہے
پانی پہ عکس قلب صفت بیقرار ہے
جمنا ترے شباب کی آئینہ دار ہے
ہیبت سے تیری دلکشیِ بے پناہ کی
گنبد پہ کانپتی ہے کرن مہر و ماہ کی

یہ زرد و نرم دُھوپ یہ پُرکیف وقتِ شام
کندن بنے ہوئے در و دیوار و سقف و بام
خورشید کر رہا ہے تجھے آخری سلام
وہ قلبِ شرق چیر کے نکلا مہِ تمام
جونہی رواں سفینۂ مہتاب ہو گیا
تُو موج خیز قلزمِ سیماب ہو گیا

بہزادِ عصر ہیں تری گُل کاریوں پہ دنگ
منظر کشِ بہارِ چمن ہے جبینِ سنگ
کلیوں کا وہ نکھار وہ گُل ہائے رنگ رنگ
فانوسِ شمع کشتہ سے لپٹے ہوئے پتنگ
رنگینیاں ہیں جوہرِ اہلِ کمال کی
چھنتی ہے جالیوں سے نزاکت خیال کی

تو نقشِ آرزو ہے مجسّم زمین پر
آنکھوں نے تیرے حسن کی مے پی ہے اِس قدر
اِک سر خوشی ہے قلب میں سرشار ہے نظر
بیٹھا ہوں پائے وقت کی آہٹ سے بے خبر
ارزاں قدم قدم پہ سکونِ حیات ہے
تیری حریمِ ناز میں دن ہے نہ رات ہے

(۱۹۳۹)

آہستہ گزر!

اے موسمِ خوش گوار آہستہ گزر
اے عکسِ جمالِ یار آہستہ گزر
زنداں میں نہ ہو جائے قیامت برپا
اے قافلۂ بہار آہستہ گزر

اے حُسنِ شتابکار آہستہ گزر
اے زینتِ رہگزار آہستہ گزر
پھر تشنگیٔ دید بڑھی جاتی ہے
اے حاصلِ انتظار آہستہ گزر

ہر سمت ہے خار زار آہستہ گزر
دامن نہ ہو تار تار آہستہ گزر
ہر مشکلِ راہ خود ہی آساں ہوگی
اے رہروِ بیقرار آہستہ گزر

(۱۹۳۹)

قفس میں بھی مری خوے پر افشانی نہیں جاتی
نفس گم ہے مگر فکرِ غزلخوانی نہیں جاتی

زمانہ ہے کہ محوِ شست و شو ہے ایک مدت سے
گلیمِ فقر سے بوے جہانبانی نہیں جاتی

مصور حسنِ روز افزوں سے مثلِ نقشِ حیرت ہے
تری تصویر جب بنتی ہے پہچانی نہیں جاتی

شمیمِ عطر افشاں پردہ پوشِ حالِ گلشن ہے
ہوا کے ساتھ پھولوں کی پریشانی نہیں جاتی

مسلسل لٹ رہا ہے کاروانِ رنگ و بو لیکن
بہارِ زندگی کی گل بدامانی نہیں جاتی

دلِ روشن ہے حسنِ شاہدِ ہستی کا آئینہ
سوادِ دیدۂ شاعر سے حیرانی نہیں جاتی

(۱۹۴۰)

کیف جو روح پہ طاری ھے تجھے کیا معلوم
عمر آنکھوں میں گزاری ھے تجھے کیا معلوم

نگہِ اولِ بیباک نے میرے دل پر
تیری تصویر اُتاری ھے تجھے کیا معلوم

مہر یا قہر ترے چاھنے والے کے لیے
ھر ادا جان سے پیاری ھے تجھے کیا معلوم

ایک مدت سے یہاں عمرِ رواں تیرے بغیر
وقفِ آلام شماری ھے تجھے کیا معلوم

وقت کٹتا ھی نہیں صُبحِ مسرت آجا
رات بیمار پہ بھاری ھے تجھے کیا معلوم

خندہ زن صورتِ گُل دامنِ صد چاک مرا
پرچمِ فصلِ بہاری ھے تجھے کیا معلوم

گلِ نوخاستہ کانٹوں کو حقارت سے نہ دیکھ
کس کی تقدیر میں خواری ھے تجھے کیا معلوم

(۱۹۴۱)

روشن سحر و شام ہے ایوانِ تمنا
مہر و مہ و انجم ہیں چراغانِ تمنا

ظلمت کدۂ دل کو سحر زار بنادے
اللہ رے فروغِ رخِ تابانِ تمنا

مطلوب ہے اک جلوۂ عُریانِ حقیقت
کرتا ہے جُنوں چاک گریبانِ تمنا

بیکار ہیں سب گُلشنِ ہستی کی بہاریں
جب دل نہ رہا طفلِ دبستانِ تمنا

کوشش تو بہت کی غمِ دوراں کی ہوا نے
گُل ہو نہ سکی شمعِ شبستانِ تمنا

آجائے ابھی چہرۂ ہستی پہ تبسّم
درکار ہے خُونِ دلِ مردانِ تمنا

(۱۹۴۲)

ظلمتِ شب ہی سحر ہو جائے گی
شدتِ غم چارہ گر ہو جائے گی

رونے والے یوں مصیبت پر نہ رو
زندگی اک دردِ سر ہو جائے گی

بعدِ تعمیرِ مکاں زنجیرِ غم
اُلفتِ دیوار و در ہو جائے گی

لا دلیلِ عشق و مستی درمیاں
ختم بحثِ خیر و شر ہو جائے گی

ذکر اپنا جابجا اچھا نہیں
سب کہانی بے اثر ہو جائے گی

صرف عزمِ آتشیں درکار ہے
عمر سرگرمِ سفر ہو جائے گی

آرہا ہے انقلابِ حشر خیز
زندگی زیر و زبر ہو جائے گی

(۱۹۴۳)

ہزار نقص ہیں مجھ میں مرے کمال کو دیکھ

مجھے نہ دیکھ دل آویزیِ خیال کو دیکھ

گدائے حسن ترا خوگرِ سوال نہیں

نگاہِ شوق میں رعنائیِ سوال کو دیکھ

نسیمِ صبح کی اٹکھیلیوں سے برہم ہے

چمن میں پھول کے چہرے پہ اشتعال کو دیکھ

غبارِ رند ہے یا خاکِ ساقیِ مہوش

ادب سے چوم کے ہر ساغرِ سفال کو دیکھ

ہجومِ جلوہ بداماں ادائے خود بینی

نگاہِ صبر سے آرائشِ جمال کو دیکھ

رہے گی وجد تری کائناتِ دل برہم

کہا تھا کس نے کہ اُس حسنِ بے مثال کو دیکھ

(۱۹۴۴) ۳۲۲۰۸

درد کو نیچا دکھانا آگیا
چوٹ کھاکر مسکرانا آگیا

مرثیہ خوانی سے اب گھٹتا ھے دم
زندگی کا گیت گانا آگیا

رنجِ ناکامی سے دل بجھتا نہیں
وقت سے زور آزمانا آگیا

اُس کو سب کچھ آگیا سمجھو جسے
دوسروں کے کام آنا آگیا

وجد رکھتے ھی جوانی میں قدم
حسن کو بجلی گرانا آگیا
(۱۹۴۵)

ایلورا

مٹے خیال ہے سنگین آبگینوں میں
دلوں کا سوز نہاں پتھروں کے سینوں میں
چھپا ہے نورِ ازل بُت ہیں آستینوں میں
حیات جذب ہے اِن بے شکن جبینوں میں
یہاں جو سیر کو فکرِ رسا نکلتی ہے
وفُور شوق میں پربت کی سانس چلتی ہے

عیاں ہیں عرصۂ ہستی کے سب نشیب و فراز
ہوی ہے روے حقیقت سے دُور گردِ مجاز
ملی جو ذوقِ عمل کو خیال کی پرواز
نشاطِ کار نے کردی حیاتِ کار دراز
کمندِ گردشِ ایّام کے اسیر نہیں
نقوشِ دستِ عقیدت فنا پذیر نہیں

عظیم عزم تھے جانباز نقش کاروں کے
خزاں کی فکر نہ ارمان تھے بہاروں کے
دلوں میں خواب تھے بیدار کوہساروں کے
نظر عقاب کی تیشے تھے برق پاروں کے
تصورات کے پیکر تراش ڈالے ہیں
دیے وہ دل جو ہمیشہ دھڑکنے والے ہیں

بنای تیشہ وروں کے خیال کی دنیا
کھلی ہوی ہے عروج و زوال کی دنیا
جنوں نواز جلال و جمال کی دنیا
رہینِ محنتِ ماضی ہے حال کی دنیا
نجوم ڈوب گئے جلوۂ سحر کے لیے
ہوا ہے خونِ دل اِس جنتِ نظر کے لیے

نگار خانۂ عالم کا عکس یہ وادی
ہزار حشر بداماں خموش آبادی
ہنروروں کو تھی عرضِ ہنر کی آزادی
یہاں نہیں ہے کوی نقش نقشِ فریادی
غلامِ مرضیِ حالات حسن کار نہیں
کمالِ فکر کے شہکار اشتہار نہیں

سکونِ روح اِس آغوشِ کوہسار میں ہے
یہ زندہ خواب کسی چشمِ انتظار میں ہے
زمامِ شام و سحر دل کے اختیار میں ہے
زمانہ محو یہاں جستجوے یار میں ہے
نگاہ ڈھونڈرہی ہے نشاں نہیں ملتا
غبار سامنے ہے کارواں نہیں ملتا

(۱۹۴۶)

دُور گردِ خس و خاشاک ہوی جاتی ہے
سارے عالم کی فضا پاک ہوی جاتی ہے
کس قدر زور پہ ہے نشۂ صہبائے بہار
ہر شگوفے کی قبا چاک ہوی جاتی ہے
دیکھ شہبازِ خِرد مائلِ پرواز ہوا
ابھی پیمائشِ افلاک ہوی جاتی ہے
علم کے نُور سے اب تابہ گزرگاہِ خیال
وُسعتِ سرحدِ ادراک ہوی جاتی ہے
آتشِ عزم کو پھونکوں سے بُجھانے والو
زندگی شُعلۂ بیباک ہوی جاتی ہے
وجد معصومیِ تکرارِ تبسم کے نثار
عاشقی شعرِ طربناک ہوی جاتی ہے
(۱۹۳۷)

بیابانوں پہ زِندانوں پہ ویرانوں پہ کیا گُزری
جہانِ ہوش میں آ ے تو دیوانوں پہ کیا گُزری

دکھاؤں تجھکو منظر کیا گُلوں کی پائمالی کا
چمن سے پوچھ لے نوخیز ارمانوں پہ کیا گُزری

بہار آئے تو خود ہی لالہ و نرگس بتادیں گے
خزاں کے دور میں دلکش گُلستانوں پہ کیا گُزری

نشانِ شمع محفل ہے نہ خاکِ اہلِ محفل ہے
سحر اب پوچھتی ہے رات پروانوں پہ کیا گُزری

ہمارا ہی سفینہ تیرے طُوفانوں کا باعث تھا
ہمارے ڈُوبنے کے بعد طُوفانوں پہ کیا گُزری

میں اکثر سوچتا ہوں وجد اُن کی مہربانی سے
یہ کچھ گزری ہے اپنوں پرتو بیگانوں پہ کیا گُزری

(۱۹۴۸)

رقاصہ

بدن زندگی کا چھلکتا پیالا
چمن کی بہاروں نے پھولوں میں پالا
جنوں کو نزاکت کے قالب میں ڈھالا
امنگوں کی لہروں پہ باہر نکالا
نگاہوں کی جنّت دلوں کا اُجالا
جمالِ اجنتا، جلالِ ہمالا

اُٹھی موجِ مے کی طرح انجمن میں
بدلنے لگی کروٹیں جان تن میں

قدِ دلربا، حُسنِ بیباک چنچل
ھلالی بھویں رُوے روشن پہ بیکل
جبیں پر تِلک لال، انکھوں میں کاجل
مدیرا بھرے نین مستی سے بوجھل
لطافت مجسّم، جوانی مکمّل
نظر شعر، رفتار نغمہ مسلسل

عجب رنْگ سے رُوٹھ کر من رھی ھے
سرِ بزم قوسِ قزح بن رھی ھے

اندھیرے میں شب تاب مشعل جلی ہے
مُخالف ہواؤں کی زد پر پلی ہے
ابھی کِھلنے والی مہکتی کلی ہے
جوانی کے سانچے میں بجلی ڈھلی ہے
شفق رنگ چہرے پہ افشاں ملی ہے
دمِ ساز پر جگمگاتی چلی ہے

یہ بھٹکی ہوئی لہر ہے چاندنی کی
تجلّی میں ہے دلکشی راز کی سی

کبھی جوشِ مستی میں طاوسِ رقصاں
کبھی چشمِ نرگس کے مانند حیراں
کبھی صورتِ گُل سراسر پریشاں
کبھی مست بادل، کبھی برقِ پیچاں
کبھی دُرِّ غلطاں، کبھی موجِ طوفاں
کبھی سروِ سرکش، کبھی تیغِ عُریاں

ہر اک جلوہ کچھ اِس قدر مختصر ہے
تعاقبِ سے عاجز عُقابِ نظر ہے

خیالِ آفریں ، شاہکارِ جوانی
سراپا خمارِ مئے ارغوانی

اداؤں سے جذبات کی ترجمانی
نگاہوں میں گنجینہ ہائے معانی

ہر انداز پر دم بخود نُکتہ دانی
خموشی تکلّم ، تبسّم کہانی

چھِڑا راگ دھارے ملے حسن و فن کے
چلی ناؤ سنگم پہ گنْگ و جمن کے

سُکوں بخش رنگین نغموں کے دھارے
حسیں جُنبشِ دست و پا کے سہارے
خم و پیچ پیکر کے نازک اِشارے
نئی زندگی کے مظاہر ہیں سارے
بہشتِ تصوّر یہ دلکش نظارے
سرِ چرخ کجلا گئے چاند تارے
دل افروز منظر ہے صُبحِ چمن کا
تماشہ ہے سُورج کی پہلی کرن کا

کہر قال کے ساتھ بل کھارہی ہے
نظر شوق کی آگ بھڑکا رہی ہے

ادائے تبسّم غضب ڈھا رہی ہے
سرِ طُورِ دل برق لہرا رہی ہے

ہوا نغمۂ سرمدی گا رہی ہے
یہاں عقل کو نیند سی آ رہی ہے

سراپا حقیقت بنی ہے فسانہ
نشانِ قدم چُومتا ہے زمانہ

(۱۹۴۹)

همّت کے چراغوں سے روشن
ہر راہگزر ہوجاتی ہے
پُر عزم نگاہِ راہرواں
سامانِ سفر ہوجاتی ہے

دل رنگ بدلتا ہے پیہم
چھٹتا ہے غُبارِ شادی و غم
ہو وصل کی شب یا ہجر کی شب
ہر شب کی سحر ہوجاتی ہے

اب تنگ ہے اے اربابِ چمن
یہ پیرویِ آئینِ کُہن
یوں عمر ہزاروں پُھولوں کی
کانٹوں میں بسر ہوجاتی ہے

اے حسنِ عطا کے دیوانے

تُو رازِ مشّیت کیا جانے

بے سوز تمنّاؤں سے دُعا

محرومِ اثر ہو جاتی ہے

بجلی کی طرح گرتی ہے ہمیشہ

دل پہ جواں معصوم نظر

کیا بات اُدھر سے ہوتی ہے

کیا بات اِدھر ہو جاتی ہے

اے وجد جہانِ اُلفت میں

آرام کی صورت کیا ہوگی

دل اور پریشاں ہوتا ہے

تسکین اگر ہو جاتی ہے

عالم آشوب

تیغِ ہَوَس بے نیام دیکھیے کب تک رہے
رُوے زمین لالہ فام دیکھیے کب تک رہے

جہل کے کنجشک و بُوم باغ میں آزاد و شاد
مُرغ خِرد زیرِ دام دیکھیے کب تک رہے

مذہب و تہذیب کے فلسفۂ خام سے
شغلِ فریبِ عوام دیکھیے کب تک رہے

دیر سے بیتاب ہے رُوحِ عروسِ سحر
مہر اسیرِ ظلام دیکھیے کب تک رہے

ذُرّیتِ اہرمن مستِ مئے بیخودی
خلقِ خدا تشنہ کام دیکھیے کب تک رہے

اہلِ نظر کے لیے تحفۂ دار و رسن
ظلم کا یہ انتظام دیکھیے کب تک رہے

نُور سے محروم دن رنْگ سے محروم رات
یہ روشِ صُبح و شام دیکھیے کب تک رہے

آج دوراہے پہ ہے قافلۂ زندگی
منزلِ حق چندگام دیکھیے کب تک رہے

مضطرب اِنسان کو امن میسّر نہیں
کارِ جہاں ناتمام دیکھیے کب تک رہے

نغمۂ سازِ حیات شورِ سلاسِل میں گُم
دہر میں آدم غُلام دیکھیے کب تک رہے

(۱۹۵۱)

خُوش جمالوں کی یاد آتی ہے
بے مثالوں کی یاد آتی ہے

باعثِ رشکِ مہر و ماہ تھے جو
اُن ہِلالوں کی یاد آتی ہے

جن کی آنکھوں میں تھا سُرورِ غزل
اُن غزالوں کی یاد آتی ہے

سادگی لاجواب ہے جن کی
اُن سوالوں کی یاد آتی ہے

ذکر سُنتے ہی نوجوانی کا
کُچھ خیالوں کی یاد آتی ہے

جانے والے کبھی نہیں آتے
جانے والوں کی یاد آتی ہے

وجد لُطفِ سُخن مُبارک ہو!
باکمالوں کی یاد آتی ہے

(۱۹۵۲)

اے جانِ تمنا اِن میں ذرا
اندازِ کرم شامل کردے
میں تیری نگاہوں کے قرباں
تکمیلِ شکستِ دل کردے

آثارِ تجلّی پیدا ہیں
ہُشیار دلِ دیدار طلب
نیرنگیِ جلوۂ بے پایاں
پردے نہ کہیں حائل کردے

ساحل نے تو سُن لی موجوں سے
آلامِ دلِ دریا کی خبر
اب کوی دلِ دریا کو بھی
مانوسِ غمِ ساحل کردے
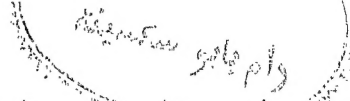
کچھ سعی و طلب کا جوش بڑھے
ظلمت پہ سنہرا رنگ چڑھے

اے ذوقِ جنوں دینے والے
مشکل کو بہت مشکل کردے

فرسودہ کتابوں کی دنیا
رنگین حبابوں کی دنیا

طوفانِ حوادث جلد کہیں
یہ سحرِ کہن باطل کردے

اِس عالمِ حیرت کا حاصل
اے وجد حقیقت میں ہے وہ دل

ہنگامِ سحر گلشن میں جسے
پھولوں کی نظر بسمل کردے

(۱۹۵۴)